ترجمہ و تلخیص

الخیر الکثیر - شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف

(۳)

آٹھواں خزانۂ شرع کے احکام کس طرح تشکّل پذیر ہوتے ہیں، اس کے بارے میں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ عبادات کی ہر شے میں چار باتیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے چوتھی بات شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے :- عبادات کی ہر شے میں مصلحت عامہ ہوتی ہے اور اس مصلحت عامہ کی تین صورتیں ہیں۔ ایک اس سے تہذیبِ نفس واصل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے نفس سے عفت و پاکیزگی، شجاعت اور سخاوت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے اس سے تدبیرِ منزل مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر سب لوگوں کا قبلۂ توجہ ایک جہت مقدسہ ہو، تو اس کے روحانی فیض کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اندر اس عالم ظاہر میں اتحاد پیدا ہوتا ہے اور تیسرے اس سے نسبت کی اساس ہوتی ہے۔ اور اس طرح لوگوں کے معاملات اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح کبیرہ گناہوں میں چار باتیں ہوتی ہیں اور ان میں سے چوتھی بات یہ ہے کہ وہ مصلحت عامہ کے منافی ہوتے ہیں۔

مذہب کی اصل بنیاد یہ ہے کہ انسان کا جو ممکن ہے، اللہ تعالیٰ سے جو ذاتِ واجب ہے قرب یعنی ملاپ ہو۔ شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :-

اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ممکن کے لیے اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن تحصیلِ قرب کے طریقوں میں بڑا اختلاف ہے۔ مجوسیوں نے ایک ایسی مخلوق کو اپنا معبود ٹھہرایا جو ان کے زعم میں عقول (مجردہ) کی تمثیل ہے۔ مشرکوں نے ان بتوں کو اپنا معبود مانا جو ان کے نزدیک مقربینِ بارگاہِ خداوندی ہیں، اور ان سے زندہ کرنے مارنے اور دوسرے امور صادر ہوتے ہیں۔ مجسمہ فرقے والے ہر ایک ایسی مخلوق یا موہوم چیز کی پرستش کرتے ہیں، جس میں ان کو معبودِ حقیقی) کا حسن وجمال نظر آتا ہے مجوسیوں کا کہنا ہے کہ بھلا خیر کامل سے ہمیں کیا نسبت ؟ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم کسی ایسی مخلوق کا تقرب حاصل کریں جو خیر کی تمثیل ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں :- ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ کیا ہر ایک مادی چیز میں قدوسیت موجود نہیں، جو اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (پھر آگ کی کونسی خصوصیت ہے) مشرک کہتے ہیں کہ مصاحبوں کا توسل حاصل کیے بغیر کسی بادشاہ کا تقرب حاصل کرنا محال ہے۔ اللہ کے مصاحبین ارواح مقدسہ اور ملائکہ ہیں، جو جسمیت سے منزہ ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے مجسمے بنا کر اپنے سامنے رکھیں اور ان کی پرستش کریں۔ باقی اللہ حی، علیم اور قدیر ہے۔ اسے ہماری اس عبادت کا علم ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں :- کیا اللہ ہر ایک فعل پر اس کی ہر ایک حیثیت سے محیط نہیں۔ "کیا وہ اپنی اس مخلوق کا حال نہیں جانتا، جس کو اس نے پیدا کیا وہ دقیق چیزوں کو جاننا اور باخبر ہے۔" مجسمہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں اللہ صاحبِ حسن وجمال ہے اس لیے جو چیز بھی حسن وجمال کی مظہر ہو، وہ اس لائق ہے کہ اس کو معبود ٹھہرایا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تقلید اور تحدید قبیح ترین ہے "یہ تینوں گروہ جہنمی ہیں۔"

حدودِ شرعی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں :- یاد رکھو جس شخص یا قوم کی حالت کسی حکم شرعی کے نزول کا باعث ہوتی ہے، اس میں عادت اور ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ اصول میں استنباط کا منبع کوئی امر کلی ہوتا ہے اور موطنِ وحی میں جو تنوع پیدا ہوتا ہے۔ وہ قسمہ میں ہوتا ہے۔ جس پر ماحول اور عادات اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس سے آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ اکل خبائث ایک ایسا فعل ہے جس کو وجاہت (عزت و آبرو) حرام قرار دیتی ہے۔ اس کے متعلق جو وحی نازل ہوئی، وہ عاداتِ عرب کے مطابق نازل ہوئی ہے طیب اور خبیث کا مفہوم وہی معتبر ہے، جس کو عرب کے لوگ طیب یا خبیث سمجھتے تھے۔ ان کی حرمت کا موجب حکمت ہے

نویں خزانے میں معاد کے احکام کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک معاد کی چار منزلیں ہیں پہلی قبر کی، دوسری موت کے بعد جی اٹھنے کی، تیسری جزا سزا کی اور چوتھی منزل جنت اور دوزخ کی ہے۔

دسویں خزانے میں جو کتاب الخیر الکثیر کا آخری خزانہ ہے، شاہ صاحب نے فوائد متفرقہ کے تحت اہل سنت کے معتقدات اور بعض دوسرے مسائل بیان کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں اہل سنت ہی وہ فرقہ ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور

اہلِ سنّت وہ ہے، جس کا علم اور عمل سنّتِ نبوی کے مطابق ہو۔

کلام میں شاہ صاحب کا مسلک اشعری تھا۔ امام ابوالحسن اشعری کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

ہم اُن کے مذہب کو بہ نظرِ وقعت دیکھتے ہیں اور ہماری رائے میں وہ صحابہ کے مذہب کے موافق ہے۔

اعمال کا حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی؟ حکمائے اسلام اور اسی طرح معتزلہ کے ہاں یہ عقلی ہے لیکن امام اشعری اسے شرعی بتاتے ہیں۔ شاہ صاحب امام صاحب کے موقف کی یوں توضیح کرتے ہیں :۔ درحقیقت کسی فعل کا حُسن اور قبح ازلی ہے۔ عقل اس حکمِ ازلی کی وضاحت اور اظہار کرتی ہے۔ پھر جب شریعت کا نزول ہوا تو ایک اور حیثیت سے اعمال کے حسن و قبح کا تعین کیا گیا۔ غرض شاہ صاحب نے اعمال کے حسن و قبح میں عقل کی شرکت کو ایک لحاظ سے تسلیم کیا ہے۔

انبیا کی عصمت کے امام اشعری قائل ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم (یعنی خود ان کا) بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ ہماری رائے میں عصمت فقط کبائر سے مانع ہے اور صغائر کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی طبیعت کو قلق ہوتا ہے۔ خلقِ افعال اور استطاعت مع الفعل کے مسئلہ میں بھی امام موصوف حق بجانب ہیں۔ ہمارے نزدیک تمام ممکنات کا معرضِ ظہور میں آنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت رکھتا ہے، جو سورج کی روشنی کو عینِ آفتاب کے ساتھ ہے، بلکہ یہ نسبت اس سے بھی کامل تر اور زیادہ مستحکم ہے۔ ممکنات کے وجود اور ظہور کی طرح اُن کے افعال بھی اسی کے تصرف کا نتیجہ ہیں۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ امام اشعری کا یہ بھی قول ہے کہ نبی کے لیے کسب اور استعداد شرط نہیں شاہ صاحب کو اس سے اتفاق نہیں، لیکن وہ امام صاحب کے قول کی یہ تعبیر کرتے ہیں کہ اُن کی مراد یہ ہے کہ بہ تکلف کوئی بھی نبوت کا اکتساب نہیں کر سکتا۔ اعمال کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ احادیث کی چھان بین کر کے فقہ اور روایت کے مطابق اپنے اعمال درست کیے جائیں۔ اُن کے نزدیک قیاسات میں سے صرف وہی قیاس معتبر ہے، جو قیاس جلی ہو یا ایسا قیاس خفی ہو، جس کی بنا مصلحتِ عامہ ہو۔

شاہ ولی اللہ اپنے فقہی مسلک میں حنفی تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ فقہ کے مذاہب اربعہ میں اقرب الی السنۃ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، جو کہ تنقیح شدہ ہے امام صاحب کی نظر علل و اسباب تک پہنچتی ہے۔

صحابہ سے روایت کرتے ہیں جو اختلافات واقع ہوئے، شاہ صاحب کے نزدیک اُن کے وجوہ یہ ہیں :- (۱) صحابہ اکثر روایت بمعنی کرتے تھے (۲) ایک روایت میں کوئی راوی کسی فقرے یا عبارت کو حذف کر دیتا اور دوسرا اُسے بیان کر دیتا۔ (۳) کسی امر کے متعلق ایک راوی کو کچھ وہم سا ہو جاتا اس لیے اس کی تعبیر دوسرے راویوں سے مختلف ہوتی تھی (۴) بعض اوقات نسیان کی وجہ سے اختلاف رونما ہوتا اور ایک لفظ دوسرے سے بدل جاتا۔

قرآن کی کون سی آیت کب اور کس واقعہ کے ضمن میں اُتری ہے، اسے شانِ نزول کہا جاتا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آیات کے شانِ نزول کے بارے میں اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ بسا اوقات جب صحابہ کرام کسی آیت کی تفسیر کرنے لگتے تو اس کا مصداق واضح کرنے کے لیے مثال کے طور پر کوئی قصہ بیان کرتے یا کوئی ایسا واقعہ سُناتے، جو عہد نبوت میں واقع ہوا ہوتا۔ اور اس آیت کی جزئیات میں سے ایک جز یہ بھی ہوتا۔ اس پر راوی یہ خیال کرتا کہ آیت کے نزول کا سبب یہ واقعہ ہے۔ آیت کے نزول کے وقت کے تعین میں اختلاف اسی لیے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی واقعہ کے پیش آنے پر کلام مجید بھی کسی آیت سے استشہاد فرماتے یا اس سے استنباط کرتے۔ اس سے گمان کرنے والے کو یہ گمان ہوا کہ یہ آیت اسی واقعہ کے بارے میں اُتری ہے۔

صحابہ سے جو مذاہب (فقہ) مروی ہیں، اُن میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے :- آپؐ کی سُنتیں مختلف ہیں۔ کسی نے ایک پر عمل کیا، کسی نے دوسری سُنت کی پیروی کی۔ یا یہ کہ ایک صحابی نے آپؐ کو کوئی عمل کرتے دیکھا یا آپ کا کوئی قول سُنا اور اُنھوں نے اُسے کسی ایک علت اور نقطہ نظر پر محمول کیا۔ دوسرے صحابی نے آپؐ کو یہی عمل کرتے دیکھا یا یہی قول فرماتے سُنا اور اُسے انھوں نے کسی دوسری علت اور نقطہ نظر پر محمول کیا۔

جہاں تک مصالح کا تعلق ہے، تو اُن میں زمانوں، جگہوں اور آرا کی بنا پر اختلاف ہوا، اور اسی کی مناسبت سے جوابات بھی مختلف دیے گئے۔ بعد میں راویوں کی نظر سے یہ بات اوجھل رہی (اور اس طرح اختلافات پیدا ہوئے)

کیا سب صحابہ کا ایک ہی درجہ ہے یا اُن میں فرق مراتب ہے۔ شاہ صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں :- صحابہ کا درجہ کمال مختلف ہے۔ کوئی تو متوحد مستقل ہے۔ اُن میں سے کوئی خلیفہ ہے۔

مسئلہ نسخ قرآن کے بارے میں؟

کوئی فقیہہ اور کوئی اُس سے بھی بڑا فقیہہ۔ ہم پہلے صحابہ کے بعض اقسام بیان کر آئے ہیں۔ صحابہ کا یہ اختلاف ہی بعد کے لوگوں کے لیے موجب اختلاف ہوا۔

قرآن میں نسخ ہوا ہے یا نہیں اور اُس میں اس وقت منسوخ آیات موجود ہیں یا نہیں۔ یہ مسئلہ صدیوں تک اہل علم میں زیر بحث رہا ہے۔ شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:۔ یہ بات خاص طور پہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اسلام کے صدر اول میں نسخ کی اصطلاح سے مراد ازالہ یعنی زائل کرنے کا مفہوم تھا۔ اور اس کی حیثیت عمومی تھی۔ اس میں علم نجوم و رمل وغیرہ، نیز دیوتاؤں کے نام پہ مشرکین عرب جو جانور چھوڑ دیتے تھے۔ اس طریقے کو باطل قرار دے کر منسوخ کرنا بھی آ تا تھا اور اس امر کا بیان بھی کہ خدائی حکم کی مدت ختم ہو گئی ہے۔[۱]

شاہ صاحب تفسیر القرآن کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ ایک وہ تفسیر جو اہل ظاہر کے حصے میں آئی ہے۔ اور دوسری قسم جو حکمائے ربانیین کے حصے میں آئی۔ تفسیر ظاہر کے لئے ضروری ہے کہ عربیت میں کامل دسترس حاصل ہو، اور اسی طرح حدیث میں کافی دستگاہ ہو۔ اس سے اس بات کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ موارد کلام کو سمجھا جا سکے اور قرآن مجید کی زبان سے صحیح طریقہ پر استنباط کیا جائے، دوسری قسم کی تفسیر اُن کے حصے میں آئی ہے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کر کے حکمت عصمت اور وجاہت (بامرتبہ ہونے) کے تقاضوں کو پورا کیا۔ الٰہیات اور معادیات وغیرہ کے حقائق پر اُن کا علم محیط ہو۔ آیات قرآن مجید کے مرکزی مفہوم پر اُن کی نظر رہتی ہو، اور وہ اپنی تیز فہم بصیرت سے ہر ایک آیت کے متعلق یہ کہنے کے قابل ہو کہ اس کا صدور کون سی یادگار سے ہوا۔ قرآن مجید پہ کامل ایمان رکھنے کی حقیقت یہی ہے اور تصدیق کا یہ منتہائے کمال ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح حدیث کی معرفت کے بھی دو طریقے ہیں، ایک طریقہ اہل ظاہر کا

---

[۱] مولانا عبید اللہ سندھی اپنی کتاب شاہ ولی اللہ کے فلسفہ میں لکھتے ہیں:۔

علمائے متقدمین نے "نسخ" کے جو معنی کئے ہیں۔ شاہ صاحب بھی "نسخ" کی اِس اصطلاح کو مانتے ہیں۔ متقدمین "نسخ" سے یہ مراد لیتے تھے کہ ایک مضمون پہلے مطلق بیان کیا گیا۔ بعد میں دوسرے موقع پر اُس کو مقید کر دیا یا پہلے کوئی مضمون اجمالی طور پر بیان ہوا تھا، پھر اس کی تفصیل کی گئی۔

ہے، جس کا دارومدار راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے اور غریب الحدیث (حدیث کے مشکل الفاظ) کو جاننے پر ہے۔ باقی حکما کا معرفتِ حدیث کا طریقہ یہ ہے کہ تشریح اور علم کی حقیقت پر نظر پہنچے۔ اور علم کوئی ایسی چیز نہیں جو گزر گئی اور ختم ہو گئی، بلکہ وہ اللہ کے ہاں ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ جو اس سے بہرہ ور ہوا، وہ ایک بڑی کامیابی ہے۔

[redacted] شاہ صاحب کا [redacted] ہے کہ اسی طرح قیاس بھی دو طرح کے [redacted] [redacted] کا [redacted] مقیس علیہ پر تطبیق دینا۔ باقی رہا اہلِ حکمت کا قیاس تو وہ عام ذہنوں کے تصور سے بالاتر ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ [redacted]

کتاب "الخیر الکثیر" کا اختتام "وصیت" پر ہوتا ہے، اور یہاں اس کا پورا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے قُرب کے حصول میں سعی و اہتمام کرکے اور اس کو طاعت و فرمانبرداری بجالانے میں کوشش کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ تمام نیکیوں کا حاصل جمع اور تمام امور کا دارومدار یہی ہے تم حنیف بنو (یعنی سب سے بے تعلق ہو کر اللہ کے ہو جاؤ) اللہ کے ساتھ نہ جلی طور پر اور نہ خفی طور پر کسی کو شریک بناؤ۔ بدعات سے بچو، کیونکہ ایسا نہ کرنا گمراہی ہے، ان لوگوں کی طرف التفات نہ کرو جو اپنے آپ کو "فلسفی" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو باوجود اُن کے علم کے گمراہی میں ڈال دیا ہے اور وہ اپنے مدارک کے تنگ دائرے میں محبوس ہیں، جس سے وہ نکل نہیں سکتے۔

پس اگر تم کو معاملے کی تحقیق کرنا اور بھید کی تہ میں جانا ہے تو اس میں ان کا علم تمہارے کام نہیں آئے گا، بلکہ وہ علم کام آئے گا جو اللہ تعالیٰ کی طاعت و قرب کے بعد شریعت کے منبع سے حاصل کیا جائے۔ تم میری متابعت کرو، میں تمہاری صحیح راستے کی طرف رہنمائی کروں گا۔ خبردار! ہمارے اس علم کا انکار نہ کرنا۔ جس پر "الخیر الکثیر" مشتمل ہے۔ اگر ایسا کیا تو دنیا اور آخرت دونوں میں خوار ہو گے۔

"الخیر الکثیر" میں جو علم ہے، وہ علمِ حق اور علمِ ربانی ہے۔ نہ اُس کے سامنے سے اس میں باطل آسکتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے۔ خدا اس کا بھلا کرے، جس نے فارسی میں یہ شعر کہا ہے۔

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطا است ۔۔۔ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

(جب تم اہلِ دل کی بات سنو تو نہ کہو کہ یہ غلط ہے۔ اے دلبر! تم سخن شناس نہیں ہو، اصل غلطی یہ ہے)

اگرچہ جلیل ترین دوستوں اور عزیز ترین بھائیوں میں سے بعض کی طرف سے حد سے زیادہ اصرار

نہ ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اس علم کو عام ذہنوں سے بچا کر ہی رکھتے۔ لیکن جو کچھ نعمتیں عطا کرنے والے اللہ نے کیا، اچھا ہی کیا۔ اور تعریف ہے اللہ کے لئے اوّل و آخر میں ظاہر و باطن میں دل سے اور جسم سے اور خفیہ اور علانیہ۔

سید امیر علی

از شاہد حسین رزاقی

سید امیر علی اپنے عہد کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ اسلامی ہند کی نشاۃ ثانیہ کے کارفرماؤں میں ان کا ایک بلند مقام ہے۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ سیاست دان بھی تھے، ایک روشن خیال مفکر بھی اور مصنف کی حیثیت سے تو ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ قانونِ اسلامی میں بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ مسلمانانِ پاک و ہند کے قومی حقوق کے لیے گزشتہ صدی کے اواخر میں جب آئینی جدوجہد شروع ہوئی تو اس میں وہ پیش پیش تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ مسلمان ملکوں کے دفاع اور خلافتِ عثمانیہ کو مغربی یلغار سے بچانے میں بھی آپ برابر کوشاں رہے۔

اس کتاب میں سید امیر علی کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کو شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے۔

صفحات ۳۰۹ - قیمت -/۸ روپے۔
ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور

مجمع البحرین

(یعنی شیعہ و سُنّی کی متفق علیہ روایات)

مؤلف: محمد جعفر شاہ پھلواروی — تعارف و تبصرہ: علامہ جعفر حسین قبلہ

مجمع البحرین، وحدتِ امت کی طرف ایک اہم قدم ہے اور اہلِ اسلام کی ہزار سالہ تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی پیش کش ہے۔ اس میں اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے جن پر سنی اور شیعہ اثنا عشری دونوں متفق ہیں۔

قیمت: چھ روپے

ملنے کا پتہ:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور